ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[1]☆

روایت پسند اور جدیدیت پسند مکاتب فکر کا تصور اجتہاد: ایک تقابلی مطالعہ

ABSTRACT

In present day, Muslim Umma has been polarized into two groups; trditionalist and modernists. Both, standing on their own ideology, are bsolutely refuting each other in basic concepts of Islam. In this research, the search question is that is either Ijtihad said to the modification amendment and addition to Quran and Sunnah or pursuing Shariah rulings from the depths and vastness of Quran and Sunnah? Traditionlists' point of view is that whenever any new issue is raised about which there is no clear solution or ruling present in Shariah, then to derive the solution from the depths and vastness of Quran and Sunnah is called Ijtihad whereas according to Modernists' theory of Ijtihad addition, amendment, modification and reformation of Islamic Shariah is allowed.

عربی زبان کے اکثر و بیشتر الفاظ کسی نہ کسی سہ حرفی مادے (root word) سے مل کر بنتے ہیں۔ لفظ اجتہاد کا مادہ 'جہد' ہے۔ اس مادے سے بننے والے عربی الفاظ میں سے دو لفظ دین اسلام میں بنیادی اصطلاحات کا درجہ رکھتے ہیں ایک اجتہاد اور دوسرا جہاد۔ 'اجتہاد' باب افتعال سے جبکہ 'جہاد' باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔ پہلا لفظ اپنے عرفی معنیٰ میں شریعتِ اسلامیہ کے فکری غلبے کے لیے کی جانے والی ہر کوشش اور سعی وجہد کے لیے

1 اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینیٹیز، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

☆ یہ تحقیقی مقالہ راقم کے پی ایچ ڈی کے مقالہ "عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ" (2010ء) کے باب اول سے ماخوذ ہے۔

استعمال ہوتا ہے اور دوسرا لفظ دینِ اسلام کے سیاسی غلبے کی ہر قسم کی جدوجہد کے لیے مستعمل ہے۔

اجتہاد کا لغوی معنی ومفہوم

ذیل میں ہم 'لفظ' جہد کے لغوی معنی کے بارے میں ماہرین لغت کی آراء پیش کر رہے ہیں:

پہلا معنی: طاقت

امام خلیل الفراہیدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 170ھ) کے نزدیک 'جَهْد' سے مراد کسی مسئلے میں خوب کوشش کرنا اور اس میں اپنی ذہنی وجسمانی طاقتوں کو پوری طرح کھپا دینا ہے۔[1] جبکہ ابن درید الأزدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 321ھ) کے مطابق 'جَهْد' اور 'جُهْد' دونوں ہی فصیح لغتیں ہیں اور ان دونوں کا معنی قوت اور طاقت ہے۔[2] ابو منصور ازہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 370ھ) کے بقول 'جُهْد' سے مراد طاقت ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: اِجْهَدْ جُهْدَكَ کہ تو اپنی طاقت لگا۔[3] اسی طرح امام ابن فارس (متوفی 395ھ) کہتے ہیں: 'جَهْد' کا مادہ (root word) جیم 'ھاء اور دال ہے اور اس مادے کا بنیادی معنی مشقت ہے پھر اس کا اطلاق مشقت سے ملتے جلتے قریبی معانی پر بھی ہونے لگا۔[4] ابو نصر اسماعیل الجوہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 398ھ) لکھتے ہیں: 'جَهْد' اور 'جُهْد' سے مراد طاقت ہے اور قرآن کی آیت مبارکہ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ کو دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔[5]

ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 458ھ) کا کہنا ہے کہ 'جَهْد' اور 'جُهْد' دونوں سے مراد طاقت ہے۔[6] اور ابن اَثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 606ھ) لکھتے ہیں کہ 'جَهْد' اور 'جُهْد' حدیث میں بہت زیادہ استعمال ہوئے ہیں اور 'جُهْد' سے مراد طاقت ہوتی ہے۔[7] ابن منظور اَفریقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 711ھ) نے بھی لکھا ہے کہ 'جَهد' اور

---

1 الفراهيدي، خليل بن أحمد، الإمام، كتاب العين: ص160، دار إحياء التراث العربي، بيروت

2 ابن دريد، محمد بن الحسن الأزدي، أبو بكر، جمهرة اللغة: 1/221، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، مكة المكرمة

3 أزهري، محمد بن أحمد أبو منصور، تهذيب اللغة: 6/26، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 2001ء

4 ابن فارس، أحمد بن فارس بن زكريا، معجم مقاييس اللغة: ص227، دار الفكر، بيروت، 1399ء

5 جوهري، إسماعيل بن حماد الفارابي، أبو نصر، تاج اللغة وصحاح العربية: 2/ 460-461، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الثانية، 1979ء

6 ابن سيدة، علي بن إسماعيل أبو الحسن، المحكم والمحيط الأعظم: 4/153، دار الكتب العلمية، بيروت، 2000ء

7 ابن الأثير، محمد بن محمد بن محمد، أبو السعادات المبارك مجد الدين الشيباني، النهاية في غريب الحديث والأثر: 1/ 848، المكتبة العلمية، بيروت

'جُہد' دونوں سے مراد طاقت ہے۔[1] مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 816ھ) نے کہا ہے کہ 'جَہد' سے مراد طاقت ہے اور یہ ضمہ کے ساتھ 'جُہد' بھی آتا ہے۔"[2] علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1205ھ) لکھتے ہیں کہ 'جہد' کا لفظ فتحہ اور بعض اوقات ضمہ کے ساتھ طاقت کے معنی میں مستعمل ہے۔"[3] احمد الفیومی (متوفی 770ھ) نے کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ 'جُہد' کا لفظ اہل حجاز کی زبان میں معروف ہے جبکہ فتحہ کے ساتھ ان کے علاوہ عرب کی زبان میں ہے۔ اور اس لفظ کا معنی طاقت ہے۔"[4]

دوسرا معنی: مشقت

امام خلیل الفراہیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ 'جُهْد' اس تھوڑی سی چیز کو کہا جاتا ہے جسے ایک مفلس انسان سخت مشقت سے حاصل کرتا ہے۔[5] ابو منصور ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لیث کے حوالہ سے 'جُهْد' کا یہی معنی بیان کیا ہے۔[6] علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 538ھ) کے بقول 'أصابه جهد' کا معنی اسے مشقت پہنچی ہے۔[7] امام ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ 'جُهْد' سے مراد طاقت ہے اور 'مجهود' وہ دودھ ہے کہ جس کا مکھن نکال لیا گیا ہو اور یہ مکھن بغیر مشقت اور تھکاوٹ کے نہیں نکلتا۔[8] ابو نصر اسماعیل الجوہری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ 'جَهْد' سے مراد مشقت ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: 'جهدت اللبن' یعنی میں نے دودھ میں سے پورا مکھن نکال لیا۔[9]

ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ 'جَهْد' سے مراد مشقت ہے۔[10] ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی 'جَهْد' سے مراد مشقت لی ہے۔"[11] ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'جَهد' سے مراد مشقت

---

1 ابن منظور، جمال الدين محمد بن مكرم الأفريقي، لسان العرب: 3/133-135، دار صادر، الطبعة الأولى، بيروت

2 زاوي، الطاهر أحمد، ترتيب القاموس المحيط: 1/545، دار عالم الكتب، الرياض

3 زبيدى، محب الدين محمد بن محمد مرتضى ، تاج العروس من جواهر القاموس:7/534، دار الهداية

4 الفيومي، أحمد بن محمد بن علي المقري، المصباح المنير: ص62، المكتبة العصرية

5 كتاب العين: ص160

6 تهذيب اللغة:6/26

7 زمخشرى، محمود بن عمر بن أحمد، أساس البلاغة: ص254، القاهرة، مطبعة المدني

8 معجم مقاييس اللغة: ص227

9 تاج اللغة وصحاح العربية:2/4630-461

10 المحكم والمحيط الأعظم:4/153

11 النهاية في غريب الحديث والأثر: 1/848

ہے۔"[1] مجد الدین فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا معنی مشقت بیان کیا ہے۔[2] علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر یہ صرف فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی مشقت ہی ہوتا ہے۔[3] جبکہ علامہ احمد الفیومی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ فتحہ کے ساتھ اس کا معنی مشقت ہے۔"[4]

تیسرا معنی: انتہا

ابو منصور زہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن سکیت نے کہا ہے کہ 'جہد' سے مراد 'انتہاء' ہے۔[5] ابن اُثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہی کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مبالغہ اور انتہاء ہے۔"[6] علامہ اُحمد الفیومی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر 'جہد' فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی انتہاء اور غایت بھی ہوتا ہے۔[7]

چوتھا معنی: کوشش کرنا

ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اور ایک قول یہ بھی کہ 'جہد' [ضمہ کے ساتھ] اور 'جہد' [فتحہ کے ساتھ] دونوں ہی کوشش کے معنی میں استعمال ہو جاتے ہیں۔"[8] ڈاکٹر ابراہیم اُنیس، ڈاکٹر عبد الحلیم منتصر، عطیہ الصوالحی اور محمد خلف اللہ احمد لکھتے ہیں: " 'جہد' باب 'فتح' سے کوشش کرنے کے معنی میں ہے اور کہا جاتا ہے: جهد في الأمر کہ اس نے فلاں کام میں کوشش کی۔[9]

روایت پسند علما کا تصور اجتہاد

مختلف ادوار میں روایت پسند علما نے اجتہاد کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم ان تعریفوں کا ایک تجزیاتی مطالعہ کرتے ہوئے تصورِ اجتہاد کے تاریخی ارتقاء، ان تعریفات کے اختلاف تنوع اور متفق علیہ جوہری

---

1. لسان العرب: 3/133-135
2. ترتیب القاموس المحیط: 1/545
3. تاج العروس من جواهر القاموس: 7/534
4. المصباح المنير: ص62
5. تهذيب اللغة: 6/26
6. النهاية في غريب الأثر: 1/848
7. المصباح المنير: ص62
8. النهاية في غريب الحديث والأثر: 1/848
9. إبراهيم أنيس الدكتور، محمد خلف الله أحمد، عبد الحليم منتصر، الدكتور، عطيه الصوالحى، المعجم الوسيط: 1/142، دار الدعوة، مصر

عنصر کا مطالعہ کریں گے۔ تعریفات کا یہ احصاء یہ ثابت کرتا ہے کہ 12 صدیوں میں امت میں 'اجتہاد' کی اصطلاح ایک ہی معنیٰ و مفہوم میں مستعمل رہی ہے جبکہ تجدد پسند مکتبہ فکر نے بیسویں صدی عیسوی میں 'اجتہاد' کا ایک نیا معنیٰ و مفہوم متعارف کروایا اور اسے مسلم معاشروں میں رائج کرنے پر زور دیا۔ اس بارے مزید گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔

پہلی تعریف

اجتہاد کی سب سے پہلی تعریف جو تحریری شکل میں ہم تک پہنچی ہے وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 204ھ) کی ہے۔ امام صاحب نے اجتہاد کا معنی 'قیاس' بیان کیا ہے۔[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف کو بعض دوسرے علما مثلاً ابن ابی ہریرۃ نے بھی اختیار کیا ہے[2] لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 505ھ)، نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف کو 'خطا' قرار دیا ہے۔[3] علما کی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ اجتہاد اور قیاس میں فرق ہے اور یہ دونوں ایک ہی شيء نہیں ہیں۔[4]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف پر وارد ہونے والے اس اعتراض کے کئی ایک جوابات دیے گئے ہیں۔ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) کے بقول "علما کے عرف میں اجتہاد سے مراد اس چیز کا حکم معلوم کرنا ہے جس کے بارے میں کوئی صریح نص نہیں ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس قسم کے مسائل کا حکم صرف اسی صورت معلوم ہو گا جبکہ فرع کو اصل پر محمول کیا جائے گا اور یہی امام صاحب کے نزدیک قیاس بھی ہے۔"[5]

ڈاکٹر عمر سلیمان اشقر حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کو اجتہاد کہہ کر مبالغے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اجتہاد کے مباحث میں سے اہم ترین بحث قیاس کی ہے۔ اس اسلوب کلام کی مثال اللہ کے رسول کی وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے قیام کو 'حج' کہا ہے۔"[6]

ہمارے نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات اس مسئلے میں بالکل واضح ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد میں فرق کسی

---

1 شافعي، محمد بن إدريس الإمام، الرسالة: ص477، دار الكتب العلمية، بيروت

2 زركشي، بدر الدين محمد بن بهادر الشافعي، البحر المحيط في أصول الفقه:9/4، دار الكتب العلمية، بيروت، 1421ھ

3 الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، المستصفى في علم الأصول: ص281، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1413ھ

4 البحر المحيط: 9/4

5 ایضاً

6 أشقر، عمر سليمان، الدكتور، القياس بين مؤيديه ومعارضيه: ص20، الدار السلفية، كويت

مبالغے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ وہ حقیقت میں ان دونوں کو ایک ہی چیز شمار کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیاس کی تعریف میں وسعت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استدلال کے بہت سے ایسے طریقوں کو بھی قیاس کہتے ہیں جو جمہور کے نزدیک قیاس کے معروف تصور میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ استدلال کے جن طریقوں کو بعض علما اجتہاد کا نام دیتے ہیں وہ امام صاحب کے نزدیک قیاس ہیں اور قیاس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد بھی کہتے ہیں۔ پس اجتہاد کی تعریف میں جمہور اور امام صاحب کا اختلاف لفظی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قیاس کو اجتہاد کہا ہے وہ جمہور کا تصور قیاس نہیں ہے بلکہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا تصور قیاس ہے، جو اپنے مناہج واسالیب کے اعتبار سے جمہور کے تصور قیاس کے بالمقابل بہت وسعت کا حامل ہے۔ پس امام شافعی جب اجتہاد کو قیاس کہتے ہیں تو قیاس سے ان کی مراد استدلال کے وہ جمیع طریقے ہیں جنہیں جمہور اجتہاد کی تعریف میں شامل کرتے ہیں۔ مثلاً امام صاحب کسی ایسے شخص، جو خانہ کعبہ کے سامنے موجود نہ ہو، کی قبلے کے تعین میں جدوجہد کو بھی قیاس کا نام دیتے ہیں جبکہ جمہور علما اس کو اجتہاد کہتے ہیں۔ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یک شخص قبلے کی تعیین کے لیے کائنات میں بکھری ہوئی علامات مثلاً آسمان، ستاروں، سورج، چاند، دریا اور پہاڑوں وغیرہ سے قبلے کا تعین کرے گا اور علامات کے ذریعے کسی چیز کو معلوم کرنا ہی قیاس ہے اور قیاس، اجتہاد ہے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اجتہاد ہمیشہ کسی شیء کو طلب کرنے کے لیے ہو گا اور کسی شیء کا علم علامات کے ذریعے ہی سے ہو گا اور علامات کے ذریعے کسی شیء کا علم حاصل کرنا ہی قیاس ہے۔[2] اسی طرح ان کے نزدیک کسی شیء کی قلیل مقدار کی شرعی حرمت کی بناء پر اس کی کثیر مقدار کو حرام قرار دینا بھی قیاس ہی ہے جبکہ دوسرے فقہا اس کو 'دلالت اَولی' یا 'مفہوم موافق' یا 'فحوی خطاب' بھی کہتے ہیں۔[3]

اس بحث کا خلاصہ کلام یہی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجتہاد کے معنی میں وہی وسعت پائی جاتی ہے جو جمہور کے نزدیک ہے اور یہ سمجھنا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کی تعریف لفظ 'قیاس' سے کرتے ہوئے اسے محدود کر دیا ہے، صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصور 'قیاس' میں اسی قدر توسع موجود ہے جس قدر جمہور اہل علم کے ہاں تصور 'اجتہاد' میں ہے۔

دوسری تعریف

امام ابو بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 370ھ) لکھتے ہیں کہ عرف میں اجتہاد کا لفظ ان مسائل میں اپنی کوشش

1 الرسالۃ: ص38-39
2 أیضاً: ص512-513
3 أیضاً: ص515-517

خرچ کرنے کے ساتھ مخصوص ہیں کہ جن میں اللہ کی طرف سے کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو ان مسائل میں اللہ کے مطلوب کے علم تک پہنچانے والی ہو۔ جن مسائل میں اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو تو ان مسائل کی دلیل کی تلاش کو اجتہاد نہیں کہتے۔[1]

ایک اور مقام پر اس تصور کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ اجتہاد کا لفظ شریعت میں تین معانی میں استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک قیاس شرعی ہے۔ دوسرا ظن غالب کی بنیاد پر کوئی حکم جاری کرنا ہے جیسا کہ کعبہ کی جہت کو تلاش کرنے میں اس شخص کا اجتہاد ہے کہ جس کے سامنے کعبہ موجود نہ ہو اور تیسری قسم اُصول استحسان سے استدلال کرنا ہے۔[2]

امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کی بیان کردہ اجتہاد کی پہلی اور دوسری قسم دونوں کو بیک وقت اجتہاد اور قیاس کا نام دیتے ہیں لیکن اجتہاد کی تیسری قسم کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔[3] امام شافعی رحمہ اللہ نے اگرچہ اپنے اجتہادات میں استحسان کے علاوہ بعض دوسرے قواعد عامہ مثلاً سد الذرائع اور مصلحت وغیرہ کو استعمال کیا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دوسرے فقہا مثلاً امام احمد، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہم اللہ وغیرہ ان اصولوں سے استدلال کو قیاس کی بحث کے تحت لاتے ہیں، علیحدہ سے مستقل بالذات ماٰخذ کے طور بیان نہیں کرتے۔[4]

تیسری تعریف

امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی 456ھ) لکھتے ہیں کہ شریعت میں اجتہاد سے مراد کسی مسئلے کا حکم تلاش کرنے میں اپنی طاقت کو اس جگہ لگا دینا ہے جہاں وہ حکم پایا جاتا ہو۔ دیانت دار علما میں سے کسی کا بھی اس تعریف سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔[5] آگے چل کر اس بحث کو مزید نکھارتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکامات عام علما کے لیے موجود ہیں، اگرچہ شریعت کے بعض احکامات کے وجود کا علم بعض لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے لیکن یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ شرعی احکام کے وجود کا علم تمام لوگوں کے لیے مشکل اور ناممکن

1 جصاص، أحمد بن علي أبوبكر الرازي، الفصول في الأصول: 4/ 11، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، دولة الكويت، الطبعة الثانية، 1994ء

2 أيضاً: 4/11-12

3 الرسالة: ص504-507، 505

4 الشوكاني، محمد بن علي بن محمد، الإمام، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: 2/185، دار الكتاب العربي، الطبعة الأولى، 1999ء

5 ابن حزم، علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي، الإحكام في أصول الأحكام: 8/587، دار الحديث، القاهرة، 1404هـ

الحصول ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف اسی چیز کا مکلف بناتے ہیں کہ جس کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور جس شرعی حکم کے وجود کا علم تمام لوگوں کے لیے ناممکن الحصول ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہمیں کبھی بھی مکلف نہیں بنایا۔[1]

چوتھی تعریف

امام الجوینی المعروف بامام الحرمین (متوفی 478ھ) لکھتے ہیں:

"وأما الاجتهاد فهو بذل الوسع في بلوغ الغرض"[2]

یعنی اجتہاد سے مراد کسی مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنی طاقت کھپا دینا ہے۔ شیخ عبد اللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ اس تعریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ اجتہاد کی عام تعریف ہے جو اس کی لغوی تعریف کے قریب ہے۔ پس اس تعریف میں حکم شرعی کی قید لگانا ضروری ہے کیونکہ امام صاحب کی مراد اجتہاد کی بحث ہے جو کسی شرعی حکم کے اثبات کا طریقہ ہے۔ پس اس تعریف میں غرض سے مراد مطلوب شرعی حکم ہے۔''[3] شیخ فیصل بن عبد العزیز آل مبارک (متوفی 1376ھ) نے بھی امام جوینی کی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[4]

امام ابو اسحاق شیرازی (متوفی 476ھ) نے اس تعریف کو نسبتاً وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"استفراغ الوسع وبذل المجهود في طلب الحكم الشرعي"[5]

یعنی کسی شرعی حکم کی تلاش میں اپنی قوت کو صرف کرنا اور اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح کھپا دینا ہے۔''

یہ تعریف دراصل مذکورہ بالا تعریف کا ارتقاء اور بیان ہے۔ اس تعریف میں 'غرض' کی تشریح 'حکم شرعی' سے کی گئی ہے۔ امام ابن العربی المالکی (متوفی 543ھ) نے اسی تعریف میں 'غرض' کی جگہ 'صواب' کے لفظ کو بیان کیا ہے۔[6]

---

1 الإحكام في أصول الأحكام:587/8

2 جويني، عبد الملك بن عبد الله ، أبو المعالي، الورقات في أصول الفقه:ص31، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، مكة المكرمة

3 الفوزان، عبد الله بن صالح الشيخ، شرح الورقات في أصول الفقه: ص150، دار المسلم، الرياض، الطبعة الثالثة، 1996ء

4 فيصل بن عبد العزيز، آل مبارك الشيخ، مقام الرشاد بين التقليد والاجتهاد: ص26، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، مكة المكرمة

5 شيرازي، إبراهيم بن علي بن يوسف الفيروز آبادی، أبو إسحاق، اللمع في أصول الفقه: ص72، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1405ھ

6 ابن العربي، محمد بن عبد الله بن العربي، أبوبكر المالكي الأندلسي، أصول الفقه:ص78، المكتبة الشاملة،

امام بیضاوی رحمہ اللہ (متوفی 685ھ) نے امام اَبو اسحاق شیرازی کی تعریف کو 'طلب' کی بجائے 'درک' کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ ان کے بقول "وهو استفراغ الجهد في درك الأحكام الشرعية"[1] یعنی شرعی احکام کو پانے کے لیے انتہائی درجے میں کوشش کرنا اجتہاد ہے۔" ابن عبد الحق الحنبلی رحمہ اللہ (متوفی 739ھ) نے 'طلب' کی بجائے 'تعرف' کا لفظ استعمال کیا ہے اور احکام کے ساتھ 'شرعی' کی قید بھی ہٹادی ہے۔[2] علی بن عبد الکافی السبکی رحمہ اللہ (متوفی 756ھ) نے بھی امام بیضاوی رحمہ اللہ کی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[3] جبکہ ابن اللحام رحمہ اللہ (متوفی 803ھ) نے اس تعریف میں 'طلب' کی جگہ 'تعرف' کا لفظ استعمال کیا ہے۔[4]

ابن مفلح الحنبلی رحمہ اللہ (متوفی 763ھ) نے بھی امام بیضاوی رحمہ اللہ کی تعریف کو اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے فقیہ کی قید کا اضافہ کر دیا ہے جو کہ اس تعریف کا مزید ارتقاء اور بیان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"استفراغ الفقيه وسعه لدرك حكم شرعي"[5]

یعنی کسی فقیہ کا حکم شرعی کو پانے کے لیے اپنی کوشش کو کھپا دینا 'اجتہاد' ہے۔"

ابن النجار (متوفی 972ھ) نے ابن مفلح حنبلی کی تعریف کو بیان کیا ہے۔[6]

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (متوفی 1176ھ) نے امام بیضاوی ہی کی تعریف کو اختیار کرتے ہوئے اس میں دلائل شرعیہ کی قید کا اضافہ کیا ہے۔[7] شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ (متوفی 1246ھ) نے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے لیکن احکام کے ساتھ 'اَفاعیل' کی قید بڑھا دی ہے جو کہ اس تعریف کا مزید بیان

الإصدار الثالث، مكة المكرمة

1 بيضاوي، عبد الله بن عمر، منهاج الوصول في علم الأصول: 524/4، دار عالم الكتب، رياض

2 ابن عبد الحق، عبد المؤمن بن عبد الحق، أبو الفضائل صفي الدين الحنبلي، قواعد الأصول ومعاقد الفصول: ص 27، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، مكة المكرمة

3 سبكي، علي بن عبد الكافي، الإبهاج في شرح المنهاج على منهاج الوصول في علم الأصول: 246/3، دار الكتب العلمية، بيروت، 1404هـ

4 ابن اللحام، علاؤ الدين علي بن محمد بن علي البعلي الحنبلي، المختصر في أصول الفقه: ص163، مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، مكة المكرمة

5 ابن مفلح، شمس الدين محمد بن مفلح الحنبلي، أصول الفقه: 1469/4، مكتبة العبيكان

6 ابن نجار، تقي الدين محمد بن أحمد القنوجي الحنبلي، شرح الكوكب المنير: 458/4، مكتبة العبيكان

7 دهلوي، قطب الدين أحمد بن عبد الرحيم بن وجيه الدين فاروقي المعروف بشاه ولي الله، إمام، عقد الجيد في أحكام الاجتهاد و التقليد: ص3، المطبعة السلفية، القاهرة، 1385ھ

ہے۔[1] حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1985م) نے بھی 'مختصر الأصول' کی شرح میں شاہ اسماعیل شہید کی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[2] شیخ محمد بن صالح العثیمین (متوفی 1421ھ) نے امام بیضاوی ہی کی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[3] ڈاکٹر سلیمان بن عبد اللہ بن حمود أبا الخیل حفظہ اللہ نے بھی امام بیضاوی کی تعریف کو بیان کیا ہے۔[4] ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2015م) نے بھی امام بیضاوی کی تعریف کو راجح قرار دیا ہے۔[5]

پروفیسر تقی امینی نے اس تعریف کو اختیار کرتے ہوئے اس میں 'تطبیق احکام' کا اضافہ ہے جو ایک عمدہ اضافہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"استفراغ الجهد وبذل غاية الوسع إما في درك الأحكام الشرعية وإما في تطبيقها"[6]

"شرعی احکام کو معلوم کرنے یا ان کی تطبیق (application) میں انتہائی درجے میں اپنی طاقت کو لگانا اور صلاحیت کو کھپا دینا' اجتہاد کہلاتا ہے۔"

پروفیسر صاحب نے اس تعریف کی نسبت امام شاطبی کی طرف کی ہے اور 'الموافقات' کا حوالہ دیا ہے لیکن تلاش کے باوجود راقم کو یہ تعریف 'الموافقات' میں نہ مل سکی۔ ڈاکٹر عیاض بن نامی السلمی حفظہ اللہ نے اس تعریف میں استنباط کے طریقے اور اجتہاد کی اہلیت کی شرائط کا اضافہ کیا ہے جو اس تعریف کا مزید بیان وارتقاء ہے۔[7]

پانچویں تعریف

ابو المظفر السمعانی (متوفی 489ھ) لکھتے ہیں:

"الاجتهاد وهو بذل الجهد في استخراج الأحكام من شواهدها الدالة عليها"[8]

یعنی اجتہاد سے مراد احکام کو ان کے ان دلائل سے نکالنا جہاں وہ پائے جا رہے ہوں۔ ابن قطلوبغا (متوفی 879ھ) نے بھی اسی تعریف کو بیان کیا ہے لیکن انہوں نے احکام کے ساتھ ان کے 'شرعی' ہونے کی قید کو بڑھا

1 شاہ إسماعيل شهيد، مختصر في أصول الفقه:ص129، إدارة إشاعة السنة، مغربي باكستان

2 گوندلوی،حافظ محمد، بغية الفحول في شرح مختصر الأصول:ص129، إدارة إشاعة السنة، باكستان

3 العثيمين، محمد بن صالح الشيخ، الأصول من علم الأصول:ص85، دار ابن الجوزي، 1426هـ

4 سليمان بن عبد الله بن حمود، أبا الخيل، الدكتور، مقدمة في الفقه:ص83، دار العاصمة، الرياض

5 زحيلي، وهبة مصطفى، الدكتور، أصول الفقه الإسلامي: 2/1038، دار الفكر، بيروت

6 تقی امینی، پروفیسر، اجتہاد:ص21، قدیمی کتب خانہ، کراچی

7 عياض بن نامي السلمي، الدكتور، أصول الفقه الذي لا يسع الفقيه جهله:ص305-306، دار التدمرية، الرياض، الطبعة الأولى، 2005ء

8 سمعاني، منصور بن محمد، أبو المظفر، قواطع الأدلة: 2/70،دار الكتب العلمية، بيروت

دیا ہے۔[1] ڈاکٹر خالد بن علی المشیقح حفظہ اللہ نے اسی تعریف میں 'جہد' کے لفظ کو 'الوسع' سے بدل دیا ہے۔[2]

استاذ علی حسب اللہ حفظہ اللہ نے اس تعریف میں 'فقیہ' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور لفظ 'استفراغ' کی بھی مزید وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"وفي اصطلاح الأصوليين بذل الفقيه جهده في استنباط حكم شرعى من دليله على وجه يحس فيه العجز عن المزيد"[3]

یعنی اُصولیین (Jurists) کی اصطلاح میں کسی شرعی حکم کو اس کی دلیل سے مستنبط کرنے کے لیے کسی فقیہ کا اپنی طاقت کو اس طرح کھپا دینا کہ اس سے زائد کوشش کرنے سے اس کا نفس عاجز ہو۔"

شیخ عبد الوہاب خلاف نے استاذ علی حسب اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1375ھ) کی اس تعریف کو نقل کرتے ہوئے لفظ 'دلائل' کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ وہ 'تفصیلی دلائل' ہوں۔[4]

استاذ مصطفی الزرقا نے بھی ایسی ہی تعریف بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"الاجتهاد: هو عملية استنباط الأحكام الشرعية من أدلتها التفصيلية في الشريعة"[5]

یعنی اجتہاد شرعی احکام کو شریعت میں موجود تفصیلی (جزئی) دلائل سے اخذ کرنے کے عمل کا نام ہے۔ علامہ محمد عبد الغنی الباجقنی نے استاذ مصطفی الزرقا کی اس تعریف کو بیان کرتے ہوئے 'فقیہ' کی شرط بھی بڑھا دی ہے۔[6] عبد الوہاب عبد السلام طویلۃ حفظہ اللہ نے بھی 'فقیہ' کی قید کے ساتھ اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[7] اسی تعریف کو الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ شیخ ولید بن راشد السعیدان حفظہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[8] شیخ محمد بن حسین بن حسن الجیزانی حفظہ اللہ نے بھی اسی تعریف کو بیان کیا ہے لیکن فقیہ کی قید نہیں لگائی ہے۔[9]

1 ابن قطلوبغا، زين الدين قاسم، خلاصة الأفكار شرح مختصر المنار: ص229

2 خالد بن علی المشيقح، الدكتور، شرح رسالة ابن سعدى في الأصول: ص125، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، مكة المكرمة

3 علي حسب الله، أصول التشريع الإسلامي: ص87، دار المعارف، مصر، الطبعة الخامسة، 1976ء

4 خلاف، عبد الوهاب شيخ، أصول الفقه الإسلامي: ص257، المكتبة الإسلامية، إستانبول

5 أصول الفقه الإسلامي للزحيلي: 2/1039، مكتبة رشيدية، كوئته

6 باجقني، محمد عبد الغني، الوجيز الميسر في أصول الفقه المالكي: ص141، الطبعة الثالثة، 2005ء

7 طويلة، عبد الوهاب عبد السلام، شيخ، أثر اللغة في اختلاف المجتهدين: ص30، دار السلام

8 وليد بن راشد السعيدان، مختصر في أصول الفقه: ص19، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، المكة المكرمة

9 جيزاني، محمد بن حسين بن الحسن، معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة: ص464، دار ابن الجوزي، الطبعة الخامسة، 1427هـ

شیخ محمد ابوزہرہ (1394ھ) نے بھی یہی تعریف کی ہے لیکن احکام کے ساتھ 'عملی' کی قید کا اضافہ کیا ہے اور اجتہاد کی دو قسمیں بنائی ہیں ایک استنباط احکام اور دوسرا ان احکام کی پیش آمدہ مسائل میں تطبیق کرنا۔[1] ڈاکٹر صبحي صالح رحمہ اللہ (متوفی 1986م) نے اس تعریف کو ایک نئے اسلوب سے بیان کیا ہے اور اس میں شرعی اور ظنی احکام کی قید کے ساتھ ساتھ عقلی، نقلی، قطعی کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے۔[2] مولانا محمد عبید اللہ اسعدی حفظہ اللہ نے بھی اس سے ملتی جلتی تعریف بیان کی ہے۔[3]

چھٹی تعریف

امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ (متوفی 505ھ) لکھتے ہیں:

"صار اللفظ في عرف العلما مخصوصاً ببذل المجتهد وسعه في طلب العلم بأحكام الشريعة والاجتهاد التام أن يبذل الوسع في الطلب بحيث يحس من نفسه بالعجز عن مزيد"[4]

یعنی علما کے عرف میں یہ لفظ اس مفہوم کے ساتھ خاص ہے کہ شرعی احکام کے علم کی تلاش میں مجتہد کا اپنی صلاحیتوں کو لگا دینا اجتہاد ہے۔ اجتہاد تام یہ ہے کہ شرعی حکم کی تلاش میں مجتہد اپنی اتنی طاقت لگا دے کہ اس سے مزید کسی کوشش کی گنجائش سے اس کا نفس عاجز ہو۔ علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری (متوفی 730ھ) نے بھی اسی تعریف کو بیان کیا ہے لیکن انہوں نے 'مجتہد' کی قید نہیں لگائی اور اسے مقدر (understood) مانا ہے۔[5]

اسی طرح ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں:

"وهو في عرف الفقهاء مخصوص ببذل الجهد في العلم بأحكام الشرع"[6]

یعنی فقہا کی اصطلاح میں شرعی احکام کا علم حاصل کرنے میں اپنی صلاحیت کو کھپا دینے کے ساتھ یہ لفظ خاص ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بھی 'مجتہد' اور 'فقیہ' کی قید نہیں لگائی کیونکہ یہ بات فقہاء اور علما کے نزدیک معروف

1 أبو زهرة الأستاذ، أصول الفقه: ص356، دار الفكر العربي، القاهره
2 صبحي صالح الشيخ، معالم الشريعة الإسلامية: ص32، دار العلم للملايين، بيروت، 1975م
3 اسعدی، محمد عبید اللہ، مولانا، اصول الفقہ: ص256، مجلس نشریات اسلام، کراچی
4 المستصفى: ص342
5 بخاري، عبد العزيز بن أحمد علاؤ الدين الحنفي، كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي: 20/4، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1418ھ
6 ابن قدامة، عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة بن مقدام بن نصر الحنبلي المقدسي، أبو محمد موفق الدين، روضة الناظر وجنة المناظر: 352/1، جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، الطبعة الثانية، 1399ھ

ہے کہ اجتہاد، مجتہد اور فقیہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ گویا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کو مختصر کیا گیا ہے۔ الشیخ محمد الخضری بک نے بھی امام غزالی ہی کی تعریف کو بیان کیا ہے۔[1]

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2014م) نے امام غزالی ہی کی تعریف میں 'طریق استنباط' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے جو اس تعریف کا ارتقاء ہے۔[2] شیخ عبد اللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ نے امام غزالی کی تعریف میں 'طریق استنباط' کے ساتھ 'دلائل شرعیہ' کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے جو اس تعریف کا مزید بیان ہے۔[3] شیخ عبد اللہ بن یوسف الجدیع حفظہ اللہ نے شیخ صالح الفوزان ہی کی تعریف نقل کی ہے۔[4]

ساتویں تعریف

ابن رشد الحفید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 595ھ) نے اپنی تعریف اجتہاد میں اجتہاد کے مناہج اور اسالیب کو نمایاں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "أما الاجتهاد فهو بذل المجتهد وسعه في الطلب بالآلات التي تشترط فيه"[5] یعنی اجتہاد سے مراد کسی مجتہد کا کسی شرعی حکم کی تلاش میں ان آلات (طرق وذرائع) کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو کھپا دینا، جو کہ اجتہاد میں بطور شرط مقرر کیے گئے ہیں۔

آٹھویں تعریف

فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 606ھ) لکھتے ہیں:

" فهو استفراغ الوسع في النظر فيما لا يلحقه فيه لوم مع استفراغ الوسع فيه "[6]

یعنی کسی چیز میں غور و فکر کرتے ہوئے اپنی صلاحیت کو اس درجے کھپا دینا کہ اس بارے میں کوئی ملامت باقی نہ رہے، اجتہاد کہلاتا ہے۔ سراج الدین ارموی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 682ھ) نے بھی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[7] شہاب الدین القرافی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 684ھ) نے بھی تقریباً یہی تعریف بیان کی ہے۔[8]

---

1 محمد الخضري بك ، أصول الفقه: ص367، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، طبعة سادس، 1969ء

2 زیدان، عبد الکریم، الدکتور، الوجیز فی اصول الفقہ: ص 401، فاران اکیڈمی، لاہور

3 الفوزان، عبد الله بن صالح ، خلاصة الأصول: ص28، المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، المكة المكرمة

4 عبد الله بن يوسف الجديع، تيسير علم أصول الفقه: ص306، مكتبة الشاملة، مكة المكرمة

5 ابن رشد، محمد بن أحمد، القرطبي، الأندلسي الحفيد، الضروري في أصول الفقه: ص137، دار الغرب الإسلامي، بيروت

6 رازي، فخر الدين محمد بن عمر بن الحسين، إمام، المحصول: 7/6، جامعة الإمام، الرياض

7 أرموی، سراج الدين محمود بن أبي بكر، التحصيل من المحصول: ص281، مؤسسة الرسالة، بيروت

8 القرافي، شهاب الدين أحمد بن إدريس، نفائس الأصول في شرح المحصول: 3972/9

نویں تعریف

علامہ سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 631ھ) لکھتے ہیں:

"استفراغ الوسع في طلب الظن بشيء من الأحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه [1]

یعنی کسی حکم شرعی سے متعلق غالب گمان کی تلاش میں اپنی صلاحیت کو اس طرح کھپا دینا کہ اس سے مزید کسی قوت کے لگانے سے اس کا نفس عاجز ہو۔ علامہ سید محمد صدیق حسن خان بہادر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1357ھ) نے بھی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[2] ابن الحاجب المالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 646ھ) نے علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف میں 'فقیہ' کی قید کا اضافہ کیا ہے اور "على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه" کی قید کو نکال دیا ہے کیونکہ وہ 'استفراغ الوسع' کے الفاظ میں شامل ہے۔[3] یہ آمدی کی تعریف کا مزید بیان ہے۔

قاضی عضد الملۃ والدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 756ھ) نے بھی ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تعریف بیان کی ہے۔[4] جبکہ قاضی تاج الدین عبد الوہاب علی السبکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 771ھ) نے ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف کو مزید کچھ اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے حکم کے ساتھ 'شرعی' کی قید ہٹا دی کیونکہ فقیہ کی جدوجہد 'شرعی حکم' ہی کی تلاش میں ہو گی۔[5] جمال الدین اسنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 772ھ) نے بھی اجتہاد کی وہی تعریف بیان کی ہے جو قاضی تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔[6] علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 792ھ) نے بھی ابن الحاجب ہی کی تعریف بیان کی ہے۔[7] ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 861ھ) نے بھی یہی تعریف بیان کی ہے

---

1 آمدي، سيف الدين علي بن أبي محمد، الإحكام في أصول الأحكام: 4/ 169، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، 1404ھ

2 محمد صديق حسن، خان، بهادر علامة سيد، حصول المأمول من علم الأصول: ص154، مطبعة مصطفى محمد، مصر

3 ابن الحاجب، عثمان بن عمرو، منتهى الوصول والأمل في علمي الأصول والجدل: ص209، دار الكتب العلمية، بيروت

4 عضد الملة والدين قاضي، مختصر المنتهى الأصولي: 2/ 289، دار الكتب العلمية، بيروت، 1405ھ

5 السبكي، تاج الدين عبد الوهاب علي قاضي، جمع الجوامع: ص118، دار الكتب العلمية، بيروت

6 إسنوي، جمال الدين عبد الرحيم بن الحسن، نهاية السؤول في شرح منهاج الأصول: 525، دار عالم الكتب، الرياض

7 التفتازاني، سعد الدين مسعود بن عمر، شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح: 2/ 244، دار الكتب العلمية، بيروت

لیکن انہوں نے 'استفراغ الوسع' کی جگہ 'بذل الطاقة' کا لفظ استعمال کیا ہے۔[1]

ابو یحیی زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 926ھ) نے بھی قاضی تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس تعریف کو مختصر کرتے ہوئے 'شرعی' کی قید کو ہٹا دیا ہے کیونکہ ایک فقیہ شرعی حکم کی تلاش میں ہی اپنی طاقت خرچ کرتا ہے۔[2] امام محب اللہ بن عبد الشکور الہندی البہاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1199ھ) نے ابن ہمام ہی کی تعریف بیان کی ہے۔[3] ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی حفظہ اللہ نے بھی ابن ہمام ہی کی تعریف بیان کی ہے۔[4] شیخ عبد الرحمن بن عبد الخالق یوسف حفظہ اللہ نے ابن ہمام کی تعریف میں 'فقیہ' یا 'مجتہد' کی قید نہیں لگائی ہے۔[5] شیخ احمد شاکر حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1957م) نے ابن ہمام کی اجتہاد کی اس تعریف میں 'فقیہ' کی قید ہٹانے کے ساتھ 'دلیل' کی قید کا اضافہ بھی کیا ہے جو کہ اس تعریف کا مزید بیان ہے۔[6] ڈاکٹر عبد الکریم بن علی بن محمد النملۃ حفظہ اللہ نے بھی اسی تعریف کو راجح قرار دیتے ہوئے اس میں 'دلائل' کی قید کا اضافہ کیا ہے۔[7]

دسویں تعریف

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 790ھ) لکھتے ہیں:

"الاجتهاد هو استفراغ الوسع في تحصيل العلم أو الظن بالحكم"[8]

یعنی اجتہاد سے مراد حکم (شرعی) سے متعلق ظن غالب یا قطعی علم حاصل کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو کھپا دینا ہے۔ شیخ عطیہ محمد سالم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1999م) اور شیخ عبد المحسن بن حمد العباد نے اسی تعریف کو اختیار

1 ابن الهمام، محمد بن عبد الواحد الحنفی، التقرير والتحبير في شرح التحرير: 3/ 291، دار الكتب العلمية، بيروت، 1983ء

2 السنيكي، زكريا بن محمد، غاية الوصول في شرح لب الأصول: ص147، شركة مكتبة الطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده، مصر

3 محب الله بن عبد الشكور البهاري، إمام، مسلم الثبوت: ص676، المطبع الأنصاري، دهلي

4 التركي، عبد الله بن عبد المحسن، أصول مذهب الإمام الأحمد: ص255، مكتبة الرياض الحديثية، الرياض، 1977ء

5 عبد الرحمن بن عبد الخالق، السلفيون والأئمة الأربعة: ص5، المكتبة الشاملة المكتبة الشاملة، الإصدار الثالث، المكة المكرمة

6 أحمد شاكر، الحنبلی شيخ، أصول الفقه الإسلامي: ص388، مطبعة الجامعة السورية، السورية

7 نملة، عبد الكريم بن علي بن محمد، دكتور، إتحاف ذوى البصائربشرح روضة الناظر في أصول الفقه: 10/8، دار العاصمة

8 شاطبي، إبراهيم بن موسى الغرناطي، إمام، الموافقات: 4/113، دار المعرفة، بيروت

کیا ہے لیکن انہوں نے اس میں 'دلائل شرعیہ' کی قید کا اضافہ کیا ہے۔[1]

گیارہویں تعریف

امام بدر الدین الزرکشی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفي الإصطلاح بذل الوسع في نيل حكم شرعي عملي بطريق الإستنباط"[2]

یعنی کسی عملی شرعی حکم کو بذریعہ استنباط معلوم کرنے کی خاطر انتہائی درجے کی کوشش کرنا اجتہاد ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1255ھ) نے بھی اجتہاد کی بعینہ اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[3] حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ نے اجتہاد کی اسی تعریف کو اختیار کرتے ہوئے اس میں 'مجتہد' کی قید کا اضافہ کیا ہے اور 'عملی' کی قید کو ہٹا دیا ہے جو کہ اس تعریف کا ارتقاء اور مزید بیان ہے۔[4] شیخ یوسف قرضاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2015م) نے بھی امام شوکانی کی تعریف کو راجح قرار دیا ہے۔[5]

شیخ عبد المنان بن عبد الحق نور پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 2012م) نے امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف کو بیان کرتے ہوئے اس میں 'ظن' کی قید کا بھی اضافہ کیا ہے۔[6] شیخ محمد ابراہیم شقرۃ حفظہ اللہ نے بھی امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی تائید کی ہے۔[7]

روایت پسند علماء کے تصور اجتہاد کا جوہر

مذکورہ بالا بحث میں ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ اجتہاد کی تقریباً گیارہ تعریفیں ایسی ہیں جو مستقل بالذات

1 عبد المحسن بن حمد شيخ، عطية محمد سالم شيخ، تسهيل الوصول إلى فهم علم الأصول: ص77، فاروقي كتب خانه، لاهور

2 البحر المحيط: 197/6

3 الشوكاني، محمد بن علي بن محمد، إمام، إرشاد الفحول: 205/2، دار الكتاب العربي، الطبعة الأولى، 1419هـ

4 زاهدي، حافظ ثناء الله، تلخيص الأصول: ص61، مركز الإمام البخاري للتراث والتحقيق، صادق آباد، باكستان

5 القرضاوي، يوسف، الدكتور، الاجتهاد في الشريعة الإسلامية: ص11، دار القلم للنشر والتوزيع، الكويت، الطبعة الأولى، 1996ء

6 نورپوری، عبد المنان بن عبد الحق، مولانا، نخبة الأصول تلخيص ارشاد الفحول: ص68، جامعة محمدية، كوجرانواله، باكستان

7 شقرة، محمد إبراهيم شيخ، الرأي السديد في الاجتهاد والتقليد: ص3، شركة الأصدقاء للطباعة والتجارة، مصر

معلوم ہوتی ہیں جبکہ دوسری تمام تعریفیں انہی تعریفات کی وضاحت' بیان' شرح' ان پر اضافہ یا ان کا اختصار ہیں۔ جب ہم اجتہاد کی ان گیارہ بنیادی تعریفوں پر غور کرتے ہیں تو یہ تعریفیں بھی باہم متضاد نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا بیان وارتقاء یا تصور اجتہاد کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرتی معلوم ہوتی ہیں، لہٰذا عام طور پر یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ اجتہاد کی تعریف میں متقدمین کا بہت اختلاف ہے، تو یہ گمان درست نہیں ہے۔

اجتہاد کی تعریف میں متقدمین کا یہ اختلاف تنوع کا اختلاف ہے جو تصور اجتہاد کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کی وضاحت کرتا ہے، مزید برآں اجتہاد کی تعریف میں متقدمین کا یہ اختلاف اجتہاد کے تصور میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اجتہاد کی ایک جامع ومانع تعریف کی تعیین کا ارتقاء ہے۔ اجتہاد کی تعریف میں اس نوعی اختلاف کے باجود تمام ائمہ سلف کا تصور اجتہاد ایک ہی تھا۔ یعنی عملاً اجتہاد کی جو صورتیں ان کے ہاں رائج تھیں، وہ کم وبیش ایک ہی طرح کی تھیں لیکن ان مختلف صورتوں کو الفاظ کی صورت میں منضبط کرنے میں روایت پسند اہل علم نے مختلف الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔

اجتہاد کی پہلی تعریف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "الاجتهاد هو القياس" کی صورت میں سامنے آئی اور ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک قیاس کا مفہوم بہت وسیع ہے لہٰذا ان کا تصور' اجتہاد' بھی جمہور کے تصور' قیاس' کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔

دوسری تعریف امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "بذل المجهود بأحكام الحوادث التي ليس لله عليها دليل قائم يوصل إلى العلم بالمطلوب منها" کے الفاظ میں سامنے آئی۔ اس تعریف کے مطابق امام جصاص نے قیاس کو اجتہاد کی ایک قسم قرار دیتے ہوئے اجتہاد کی تین اقسام بیان کیں یعنی انہوں نے قیاس کو اجتہاد سے الگ ایک محدود اصطلاح قرار دیا، یہ اجتہاد کی تعریف کا ارتقاء ہے۔

تیسری تعریف امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے "استفاد الطاقة في طلب حكم النازلة حيث يوجد ذلك الحكم" کے الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ امام جصاص اور امام ابن حزم کی تعریف میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں حضرات نے 'حادثہ' اور 'نازلہ' یعنی کسی پیش آمدہ واقعے کے حکم کو تلاش کرنے کی جدوجہد کو اجتہاد کہا ہے۔ امام جصاص نے کہا ہے کہ نئے پیش آمدہ واقعے کے حکم کی تلاش اجتہاد ہے جبکہ امام ابن حزم نے اس تعریف پر یہ اضافہ کیا ہے کہ کسی نئے واقعے کے حکم کی اس جگہ تلاش' اجتہاد ہے جہاں وہ حکم پایا جاتا ہو یعنی مصادر شریعت میں۔ اسی لیے امام ابن حزم نے اپنی تعریف میں 'مصادر احکام' سے کسی حکم کے استنباط کو اجتہاد قرار دیا ہے۔ اجتہاد کی تعریف میں امام صاحب کی طرف سے 'مآخذ احکام' کی یہ قید اجتہاد کی تعریف کا مزید بیان ہے۔

اجتہاد کی چوتھی تعریف امام الحرمین امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے "بذل الوسع في بلوغ الغرض أی حكم

شرعی" کے الفاظ سے کی ہے جبکہ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تعریف کو "استفراغ الوسع في درك الأحكام الشرعية" سے بیان کیا ہے۔ اس تعریف میں حکم شرعی کی تلاش کو اجتہاد کہا گیا ہے۔ امام جصاص اور امام ابن حزم کی تعریف میں کسی پیش آنے والے حادثے یا واقعے کے شرعی حکم کی تلاش کو اجتہاد کہا گیا تھا جبکہ اس تعریف میں مطلقاً کسی شرعی حکم کی تلاش کو اجتہاد کہا گیا ہے' چاہے وہ کوشش کسی حادثے یا وقوعے کے بعد ہو یا اس کے واقع ہونے سے قبل ہو، یہ اجتہاد کی تعریف کا مزید ارتقاء اور بیان ہے۔

اجتہاد کی پانچویں تعریف "بذل الجهد في استخراج الأحكام من شواهدها الدالة عليها" میں امام أبو المظفر السمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً کسی حکم شرعی کی دلائل شرعیہ یا مصادر احکام میں تلاش کو اجتہاد کا نام دیا ہے جو اجتہاد کی تعریف کا بیان مزید ہے۔

اجتہاد کی چھٹی تعریف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہوں نے "بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بأحكام الشريعة" میں حکم شرعی سے متعلق علم یعنی یقین کی تلاش کو اجتہاد کہا ہے۔ امام غزالی نے مجتہد کی جدوجہد کو اجتہاد کہا ہے' جبکہ ان سے پہلے اُصولیین نے مجتہد کی شرط نہیں لگائی تھی' یہ بھی اجتہاد کی تعریف کا مزید ارتقاء و بیان ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کی تعریف میں لفظ 'علم' کا اضافہ کر کے اکثر اجتہادی احکام کے یقینی ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے' علاوہ ازیں مصادر احکام اور مآخذ شرعیہ کی شرط کو نکال کر تعریف کو مختصر بھی کر دیا ہے کیونکہ ایک مجتہد مصادر شریعت ہی سے احکام شرعیہ کا استنباط کرتا ہے۔

اجتہاد کی ساتویں تعریف امام ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہوں نے "بذل الوسع في الطلب بالآلات التي تشترط فيه" میں احکام شرعیہ کی تلاش میں اصل اہمیت اجتہاد کے اسالیب اور طرق کو دی ہے۔ اور اجتہاد کے معروف اسالیب، طرق اور شرائط کے ذریعے ہی کسی حکم شرعی کی تلاش کو اجتہاد قرار دیا ہے، یہ اجتہاد کی تعریف کا مزید ارتقاء ہے۔ مجتہد اور مصادر احکام کی شرائط اس تعریف میں مقدر (understood) ہیں۔

اجتہاد کی آٹھویں تعریف "استفراغ الوسع في النظر فيما لا يلحقه فيه لوم مع استفراغ الوسع فيه" میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ایک مجتہد کو کسی شرعی حکم کی تلاش میں اپنی جدوجہد' طاقت' قوت اور صلاحیتوں کو انتہائی درجے میں کھپا دینا چاہیے۔ یعنی کسی شرعی حکم کی سرسری تلاش اجتہاد نہیں کہلائے گی۔ اس تعریف میں اجتہاد کے لغوی معنی اور باب افتعال کی خصوصیت اکتساب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اجتہاد کی اس تعریف میں تصور اجتہاد کو ایک نئے اسلوب سے پیش کیا گیا ہے۔ مجتہد کی محنت، حکم شرعی کی تلاش، مصادر احکام میں تلاش، اسالیب اجتہاد کی روشنی میں تلاش وغیرہ کی قیود کو بیان نہیں کیا گیا، یہ تعریف بھی اجتہاد کی لغوی تعریف کے زیادہ قریب ہے۔

اجتہاد کی نویں تعریف علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے جنہوں نے "استفراغ الوسع فِي طلب الظن بشيء من الأحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد عليه" میں امام رازی کی اضافی قید کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں 'ظن' کی قید کا مزید اضافہ کیا ہے جس کے مطابق اکثر و بیشتر اجتہادی احکام شرعیہ میں علم قطعی کی بجائے گمانِ غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس تعریف میں شرعی احکام کی تلاش کو اجتہاد کہا گیا ہے جو مجتہد ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور مصادر احکام میں ہوتی ہے۔ علامہ آمدی نے اسالیب اجتہاد کا تذکرہ نہیں کیا ہے جو کہ ایک ایسی قید ہے کہ جس کا بیان کرنا بہتر تھا۔ علامہ آمدی کی یہ تعریف امام غزالی کی تعریف سے متضاد نہیں ہے کیونکہ ہر ایک نے اجتہادی احکام کی غالب تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے 'علم' یا 'ظن' کا اضافہ اپنی تعریف میں کر دیا ہے جبکہ دونوں باتیں درست ہیں۔ بعض اوقات اجتہاد کے نتیجے میں کوئی ایسا شرعی حکم معلوم ہوتا ہے جو کہ علم یقین کا فائدہ دیتا ہے مثلاً کسی اجتہادی حکم میں مابعد کے زمانوں میں اجماع ہو جائے اور بعض مسائل میں کوئی اجتہادی حکم ظن غالب کا فائدہ دیتا ہے' خاص طور پر جب کسی اجتہادی مسئلے میں فقہا کے مابین اختلاف ہو۔

اجتہاد کی دسویں تعریف "استفراغ الوسع في تحصيل العلم أو الظن" میں امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے 'امام غزالی اور علامہ آمدی دونوں کی تعریفوں کو جمع کرنے کی کوشش ہے جو اجتہاد کی تعریف کا مزید ارتقاء و بیان ہے۔ اس تعریف کے مطابق اجتہاد سے علم و ظن دونوں حاصل ہوتے ہیں۔

اجتہاد کی گیارہویں تعریف امام زرکشی نے پیش کی ہے۔ انہوں نے "بذل ا لجهد في نيل حكم شرعي عملي بطريق الاستنباط" میں، علم اور 'ظن' دونوں کی قید ہٹادی ہے جس کی وجہ سے تعریف اپنی تقدیر عبارت سے ان دونوں کو شامل ہوتی ہے جبکہ امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کی تعریف میں استنباط کے معروف طریقوں کے ذریعے اجتہاد کرنے پر زور دیا ہے۔

پس متقدمین اور روایت پسند علما کی جملہ تعریفات کا متفق علیہ نکتہ یہ ہے کہ 'اجتہاد' کتاب و سنت کی روشنی میں کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ میں حکم شرعی کی تلاش کا نام ہے۔ مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں: اجتہاد سے مراد آزادانہ رائے قائم کرنا نہیں ہے۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنت جو کہ اسلام کے اصل مصادر (sources) ہیں، ان پر غور کر کے قیاسی یا استنباطی طور پر شریعت کے نئے احکام معلوم کرنا۔[1] اسی طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی (متوفی 2010م) لکھتے ہیں کہ انگریزی میں اجتہاد کے مفہوم کو بیان کرنا ہو تو یوں کہا جائے گا:

To exhaust your capacity to discover Shariah ruling about a new situation in

1 وحید الدین خان، مولانا، مسائل اجتہاد: ص 18، دار التذکیر، لاہور

the light of the Quran and Sunnah.[1]

پس روایت پسند علما کے نزدیک اجتہاد کا معنی و مفہوم 'کسی عالم دین کا، نئے پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی حکم، کتاب و سنت کی نصوص کی گہرائیوں اور وسعتوں میں تلاش کرنے کے لیے، انتہائی جدوجہد کرنا ہے۔ اس مفہوم کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ روایت پسند علما کے نزدیک اجتہاد 'فقہ الواقع پر کتاب و سنت کی نصوص کے اطلاق کا نام ہے۔ یعنی اجتہاد کتاب و سنت سے باہر عقل محض سے کوئی آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں ہی مسائل کی تلاش کا نام ہے۔

ہاں! البتہ ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہیں گے کہ بعض معاصر علماء نے کسی حدیث کے صحت و ضعف کی تحقیق کو بھی اجتہاد کہا ہے لیکن ہماری رائے میں یہ اجتہاد نہیں ہے کیونکہ سلف صالحین کی متفق علیہ تعریف کے مطابق اجتہاد احکام شرعیہ کی تلاش کا نام ہے نہ کہ نصوص شرعیہ کی تلاش۔ کسی حدیث کو مقبول یا مردود قرار دینے کے لیے ایک مجتہد کی جدوجہد استخراج یا استنباط کے طریق سے کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ درحقیقت نص کی تلاش ہے اور نص کی تلاش کو ائمہ سلف اجتہاد شمار نہیں کرتے اور جب یہ اجتہاد نہیں ہے تو کسی حدیث کی سند کی تحقیق 'مجال الاجتهاد' میں داخل نہ ہو گی۔ پس اگر ہم حدیث کی سند کی تحقیق کو بھی اجتہاد شمار کریں گے تو تمام محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل بھی مجتہدین قرار پائیں گے۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ اگر کوئی مجتہد کافی بھاگ دوڑ کے بعد اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ زیر تحقیق روایت 'صحیح' ہے تو اب اس روایت سے جو حکم شرعی ثابت ہو گا وہ اس روایت کی نص سے ثابت ہو گا' نہ کہ مجتہد کے اجتہاد سے ہو گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجتہدین کا اصل میدان نصوص شرعیہ سے احکام کا استنباط و استخراج ہے نہ کہ احادیث کی تصحیح و تضعیف۔ کسی حدیث کی صحت و ضعف یا رد و قبول میں اہل فن یعنی ائمہ جرح و تعدیل و ائمہ محدثین کا قول معتبر ہو گا نہ کہ فقہاء کا۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ وغیرہ نے اپنے زمانوں میں روایت کی جانے والی احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے کچھ اصول وضع کیے تھے جو اس وقت کے حالات کے مطابق بالکل صحیح تھے لیکن حدیث کی تحقیق کے لیے دائمی اصول وضع کرنا ان حضرات کے پیش نظر نہ تھا کیونکہ حدیث کی تحقیق و تخریج ان کی علمی کاوشوں کا میدان نہیں تھا۔

جدیدیت پسند اہل علم کا تصور اجتہاد

اجتہاد کے معاصر جدید تصور کی بنیاد ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ (متوفی 1938م) کی تعریف ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال

1 محمود غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ: ص 331-332، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2005ء

فرماتے ہیں:

"لغوی اعتبار سے تو اجتہاد کا معنی ہے کوشش کرنا' لیکن فقہ اسلامی کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے وہ کوشش جو کسی قانونی مسئلے میں آزادانہ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے۔"[1]

اسی طرح جاوید احمد غامدی اور منظور الحسن صاحب لکھتے ہیں:

"اجتہاد کا لغوی مفہوم کسی کام کو پوری سعی و جہد کے ساتھ انجام دینا ہے۔ اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ جس معاملے میں قرآن و سنت خاموش ہیں' اس میں نہایت غور و خوض کر کے دین کی منشا کو پانے کی جدوجہد کی جائے... اس اصطلاح کو اگر مذکورہ روایت کی روشنی میں سمجھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد سے مراد اپنی عقل و بصیرت سے ان امور کے بارے میں رائے قائم کرنا ہے جن میں قرآن و سنت خاموش ہیں یا انہوں نے کوئی متعین ضابطہ بیان نہیں کیا۔"[2]

ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور جاوید احمد غامدی صاحب نے اجتہاد کی جو تعریف بیان کی ہے وہ ائمہ سلف کا تصور اجتہاد نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجتہاد کے نام پر اس وقت جس قدر متجددانہ افکار پیش کیے جا رہے ہیں' ان سب کی بنیاد ڈاکٹر اقبال کی تعریف اجتہاد ہے، تو بے جا نہ ہو گا۔ ڈاکٹر اقبال کی تعریف کا سہارا لیتے ہوئے معاصرین کی ایک جماعت قرآن سے ثابت شدہ مجمع علیہ حدود الٰہی کو بھی اجتہاد کا محل قرار دیتی ہے تو دوسرا گروہ ہر دوسرے مسئلے کے بارے یہ کہہ کر کہ اس میں قرآن و سنت خاموش ہے، عقل محض سے رائے پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک مخلص مسلمان اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے انسان تھے لیکن علوم شرعیہ ان کا میدان نہیں تھا۔ وہ برصغیر میں پائے جانے والے تقلیدی جمود کی انتہاء کو امت مسلمہ کی ترقی و نشوونما میں ایک بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے وہ اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کے خطبات میں ایک مکمل خطبہ 'اجتہاد' کے موضوع سے متعلق بھی ہے۔ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ معروف معنوں میں نہ تو کوئی مجتہد تھے اور نہ ہی فقیہ بلکہ وہ ایک فلسفی، مفکر، شاعر اور داعی اسلام تھے۔

اسی طرح کتاب و سنت اور ان سے مستنبط شدہ مآخذ و مصادر کی روشنی میں کسی نئے مسئلے کا حل تلاش کرنا تو اجتہاد ہے لیکن محض عقلی رائے بیان کر دینا اجتہاد نہیں ہے۔ ہم یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ اگر کوئی صاحب ائمہ سلف کے تصور اجتہاد ہی کی روشنی میں اجتہاد کی اپنی کوئی نئی تعریف پیش کرتے ہیں تو صرف الفاظ و اسلوب کا فرق روا رکھنے میں کوئی ملامت نہیں ہے لیکن یہ عمل اخلاقاً و شرعاً بالکل بھی جائز نہیں ہے کہ ہم سلف صالحین کی

1 The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam' Iqbal academy' 2nd Edition' 1989.

2 غامدی، جاوید احمد، منظور الحسن، اجتہاد، ماہنامہ اشراق، المورد، لاہور، جون 20018ء، ص 27-28

وضع کردہ ایک اصطلاح کو اپنے معانی پہنا دیں۔ لہٰذا وہ حضرات جو تصور اجتہاد کے ذریعے فقہ اسلامی کی تشکیل جدید یا تعبیر نو کے خواہاں ہیں' ان سے گزارش کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے کوئی علیحدہ اصطلاح وضع کریں مثلاً تجدید' تشکیل' تعبیر نو وغیرہ۔ روایت پسند علما کی اصطلاح اجتہاد کئی صدیوں سے ایک ہی تصور اور مفہوم کو ادا کرنے کے لیے چلی آ رہی ہے' اس میں بگاڑ پیدا کرنا اخلاقاً درست نہیں ہے۔ جب ایک لفظ کے معنی و مفہوم پر امت کا اتفاق ہو گیا تو اب اس لفظ کو کسی اور معنی کے لیے استعمال کرنا زبان کو بھی بگاڑنے کے مترادف ہے اور لوگوں کی غلط راستہ کی طرف رہنمائی کے بھی مترادف ہے۔

الفاظ و معانی کا رشتہ باہم لازم و ملزوم کا ہے۔ ہر زبان میں یہ طریقہ کار ہے کہ اہل زبان اپنے احساسات، جذبات، معانی، مفاہیم اور افکار کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کچھ الفاظ مقرر کرتے ہیں۔ اس کو اہل علم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں لفظ کو اہل زبان نے فلاں معانی کے لیے وضع کیا ہے۔ جب اہل زبان ایک لفظ ایک خاص معنی یا تصور کی ادائیگی کے لیے متعین کر لیتے ہیں تو لفظ کے اس معنی کو لغوی مفہوم کہتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں لفظ 'أبٌ' ایک خاص معنی 'باپ' کی ادائیگی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ لیکن آج کل کے زمانے میں کوئی عرب شاعر یا ادیب یہ بات کہے کہ میں جب 'أب' کا لفظ اپنی نثر یا نظم میں استعمال کروں گا تو اس کا معنی میرے نزدیک 'بیٹا' ہو گا تو یہ جائز نہیں ہے۔ تمام اہل زبان اس کی مخالفت کریں گے' کیونکہ اس سے زبان میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل علم بعض اوقات ان وضع شدہ الفاظ کو اپنے مختلف تصورات کی ادائیگی کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں جس کو اصطلاحی مفہوم کہتے ہیں۔ لفظ اصطلاح کا مادہ 'صلح' ہے۔ یعنی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ اہل علم یا اہل فن کے ایک طبقے کی اس بات پر صلح ہو گئی ہے کہ آئندہ جب وہ یہ لفظ استعمال کریں گے تو اس لفظ سے ان کی مراد کوئی مخصوص تصور ہو گا۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصطلاح فرد واحد کی نہیں ہوتی بلکہ جماعت کی ہوتی ہے۔ فرد واحد کی تعبیر کو شاذ کا نام تو دیا جا سکتا ہے اصطلاح نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ جب ہم لفظ 'کتاب اللہ' بولیں گے تو اس سے ہماری مراد قرآن ہو گی۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جب یہ لفظ اپنی تحریروں میں استعمال کروں گا تو اس سے میری مراد کتاب مقدس ہو گی' تو یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ اس سے ذہنی اور فکری انتشار پیدا ہوتا ہے۔

بعض معاصرین کی طرف سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اجتہاد کی شرائط علماء نے خود سے وضع کر لی ہیں اور ان کا کوئی ثبوت قرآن و سنت میں نہیں ملتا، لہٰذا ہر شخص ہی مجتہد ہے۔ جناب غامدی صاحب اور ان کے شاگرد سید منظور الحسن صاحب اجتہاد کی شرائط پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد کے لیے کسی طرح کی کوئی قدغن نہیں ہے۔ یہ دروازہ ہر مسلمان کے لیے

اس کی انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں پوری طرح کھلا ہے۔"[1]

واقعہ یہ ہے کہ مجتہد کے لیے اگر ہم وہ شرائط بیان نہ کریں جو علما وفقہا نے بیان کی ہیں تو علوم دینیہ سے ناواقف شخص بھی مجتہد کہلائے گا' پس عالم دین اور عامی میں فرق کیا ہوا؟ جب کوئی فرق نہیں ہے تو دونوں مجتہد ہیں اور جب دونوں مجتہد ہیں اور ایک عامی بھی دینی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کر سکتا ہے تو کسی اسلامی معاشرے میں علمایا علم دین کے حصول کی ضرورت کیا معنی اور وقعت رکھتی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ جدیدیت پسند اہل علم نے اجتہاد کے لیے اصل شرط دلیل کی قوت کو قرار دیا ہے اور جب ایک شخص دلیل یعنی کتاب وسنت وغیرہ ہی سے ناواقف ہو تو وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد دلیل پر کیسے رکھے گا؟ کیا دلیل صرف عقلِ محض کا نام ہے؟ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر جو علوم شرعیہ سے ناواقف ہے اور جدیدیت پسند اہل علم کے بقول اجتہاد کرے گا تو کیا اس کا اجتہاد کتاب وسنت کے خلاف نہیں جائے گا؟ وہ کتنے ہی مسائل میں محض اپنی عقل سے اجتہاد کرے گا جبکہ وہ مسائل قرآن وسنت میں صریحاً یا اشارتاً یا ضمناً یا علت کے طریق سے بیان ہو چکے ہوں گے تو کیا کتاب وسنت کی نصوص کے خلاف اجتہاد شرعاً حرام نہیں ہے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ اجتہاد محض عقلی رائے پیش کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اجتہاد سے مراد کتاب وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں سے کسی مسئلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ اجتہاد اللہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے نہ کہ کسی انسان کا، اور اللہ کے احکامات کا مأخذ کتاب وسنت ہیں نہ کہ انسانی عقل۔ جدیدیت پسند اہل علم کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ بھی معتزلہ کی طرح انسانی عقل وفطرت کو اللہ کے حکم کا مأخذ مانتے ہیں اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مسائل کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے کہ جن میں قرآن وسنت ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتے۔ اگر اس مفروضے کو درست مان بھی لیا جائے تو پھر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر یا ماہر معاشیات، جو کتاب وسنت سے ناواقف ہے، کو اس بات کا علم کیسے ہو گا کہ جس مسئلے میں وہ اجتہاد کرنے چلا ہے، اس بارے کتاب وسنت واقعتاً خاموش ہیں۔ اگر کوئی ایم بی بی ایس ڈاکٹر یا ماہر معاشیات اس مسئلے کا حل یوں نکالتا ہے کہ وہ محض اپنی عقل سے رائے دینے سے پہلے کسی عالم سے پوچھ لے کہ اس مسئلے میں کوئی واضح نص موجود ہے یا نہیں' تو پھر وہ اس عالم کا مقلد ہو گا نہ کہ مجتہد شمار ہو گا۔ بہر حال اس قسم کے جدید نظریات سے قطع نظر ہم یہاں یہ بیان کر رہے ہیں کہ علمائے سلف نے کسی مجتہد کی اہلیت کے لیے کیا بنیادی شرائط طے کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال قطعی نصوص کی موجودگی میں اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے بقول "قرآن کے مقرر کردہ وراثت کے حصص میں رد و بدل ہو سکتا ہے اور وہ ایک ایسی فقہ

1 غامدی، جاوید احمد، منظور الحسن، اجتہاد، ماہنامہ اشراق، المورد، لاہور، جون 20018ء، ص 30-31

پارلیمنٹ کے قیام کی تجویز پیش کرتے ہیں کہ جس میں امامیہ، حنفی، مالکی وغیرہ سب مکاتب فکر شامل ہوں اور ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق اپنے مسئلے کا حل نکال لے۔"[1]

جبکہ اپنی پسند کو اپنا دین بنالینے کے بارے کتاب اللہ نے بہت ہی سخت تبصرہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۙ ﴾[2] یعنی اے نبی ﷺ! کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے کیا آپ ﷺ ایسے شخص کی ذمہ داری اٹھائیں گے؟۔

اسی طرح جناب الطاف احمد اعظمی صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "کم نظر علما کی نظر میں اللہ کے رسول ﷺ کی تشریحات دائمی اور واجب التعمیل ہیں جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ معاملات سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کی تشریحات ان کے ذاتی اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔"[3]

الطاف صاحب کا خیال ہے کہ جن معاملات میں قرآن کے احکامات مجمل ہیں۔ ان مجمل احکامات کی تشریح میں وارد آپ کی احادیث کی حیثیت دائمی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی ایسی احادیث آپ ﷺ کے اجتہادات ہیں اور یہ احادیث صرف آپ ﷺ ہی کے زمانے کے تہذیب و تمدن کے مسائل کے حل کے لیے ہی تھیں۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنن اور احادیث، چاہے ان کا تعلق قرآن کے کسی مجمل حکم کی شرح سے ہو یا وہ قرآن کے علاوہ کسی نئے حکم کا ماخذ ہوں، ہر دو صورتوں میں دائمی اور ناقابل تغیر حیثیت کی حامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴾[4]

"اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے حکمرانوں کی بات مانو پس اگر کسی بھی مسئلے میں تمہارا (اپنے حکمرانوں سے) جھگڑا ہو جائے تو تم اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ (یعنی قرآن و سنت) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت زیادہ بہتر اور انجام کار کے اعتبار سے اچھا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں 'شیء' نکرہ وارد ہوا ہے اور لغت عرب کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ جب نفی، نہی یا کسی اسم شرط کے سیاق میں نکرہ ہو تو وہ اپنے عموم میں نص بن جاتا ہے یعنی پھر اس سے عموم بیان کرنا متکلم کا منشا ہوتا

1 جاوید اقبال، ڈاکٹر، اجتہاد کیا ہے؟ کیوں کیا جاتا ہے؟ کون کر سکتا ہے؟، سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، جون 2007ء، ص85
2 الفرقان 25: 43
3 الطاف احمد اعظمی، خطبہ اجتہاد پر ایک نظر، سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، جون 2007ء: ص30-31، 35
4 النساء 4: 59

ہے۔[1] لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قسم کے مسئلے میں بھی اگر شرعی حکم کے حوالے سے بحث ہو جائے تو اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

«فقال كيف تقضي فقال أقضي بما في كتاب الله قال فإن لم يكن في كتاب الله قال فبسنة رسول الله قال فإن لم يكن في سنة رسول الله قال أجتهد رأيي»[2]

''یعنی آپ ﷺ نے کہا: تم کیسے فیصلہ کرو گے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جو کتاب اللہ میں ہے' اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: اگر وہ (مسئلہ صریحاً و تفصیلاً) کتاب اللہ میں نہ ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا (کیونکہ اس میں صراحت اور تفصیل قرآن کی نسبت زیادہ ہے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (مسئلہ صریحاً و تفصیلاً) سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنی رائے (بنانے) میں اجتہاد (یعنی قرآن وسنت میں پوری کوشش و طاقت صرف) کروں گا۔''

اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض اہل علم نے کلام کیا ہے لیکن یہ روایت اپنے متن کے اعتبار سے 'صحیح' ہے۔[3] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان کہ 'تم کیسے فیصلہ کرو گے' صرف عقیدے یا اخلاقیات کے جھگڑے کے بارے میں نہ تھا بلکہ ہر قسم کے اختلاف کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا کہ اس کا فیصلہ کیسے کرو گے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ حکمران یا گورنر کی طرف اکثر و بیشتر' معاملات سے متعلقہ تنازعات ہی کے حل کے لیے لوگ رجوع کرتے ہیں۔

بعض معاصرین نے اس روایت کے الفاظ "أجتهد رأيي" سے یہ استدلال کیا ہے کہ اجتہاد محض ایک عقلی رائے کا نام ہے۔ ہم اس روایت کے بارے میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ روایت معناً 'صحیح' ہے جبکہ اس کے الفاظ کا ثبوت ایک مشکل أمر ہے۔ لہٰذا اس روایت سے من جملہ یہ مسئلہ أخذ کرنا تو درست ہو گا کہ کسی شرعی مسئلہ کو معلوم کرنے کے تین ذرائع ہو سکتے ہیں یعنی قرآن' سنت اور اجتہاد۔ لیکن اس روایت کے الفاظ سے کوئی نکتہ أخذ کرنا صحیح نہ ہو گا۔ معناً صحیح روایت یعنی حسن لغیرہ سے استدلال کے بارے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے 'مقدمہ

1 الوجیز: ص308

2 ترمذي، محمد بن عيسى، الجامع الصحيح المعروف بسنن الترمذي، كتاب الأحكام عن رسول الله، باب ما جاء في القاضي كيف تقضي: 1327، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999ء

3 بعض علما نے اس کو ضعیف کہا ہے جبکہ بعض علما نے اس کے الفاظ کی بجائے اس کے متن کی شہرت کو بنیاد بناتے ہوئے اس کو 'صحیح' قرار دیا ہے۔

اصول تفسیر' میں عمدہ بحث کی ہے۔[1]

لہٰذا اس حدیث کے الفاظ سے یہ استدلال کرنا کہ اجتہاد تو محض ذاتی رائے کا نام ہے اور یہ قرآن و سنت کے علاوہ انسان کی عقلی رہنمائی ہے، صریحاً غلط تصور ہے۔ اجتہاد کی جتنی بھی تعریفیں ہم نے روایت پسند علماء کے حوالے سے پیش کی ہیں ان سب میں بنیادی نکتہ یہی ہے کہ قرآن و سنت اور ان سے ماخوذ مصادر کی روشنی میں حکم شرعی کی تلاش کو اجتہاد کہتے ہیں۔ محض عقلی یا ذاتی رائے حکم شرعی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس حدیث کے الفاظ سے یہ استدلال کرنا کہ پہلے قرآن میں کسی مسئلے کا حل تلاش کیا جائے گا اور اگر قرآن میں نہ ہو تو پھر سنت میں دیکھا جائے گا' بھی غلط ہے کیونکہ کسی مسئلے کے حل کی تلاش میں قرآن و سنت کو ایک ساتھ رکھا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کا بیان ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کے الفاظ سے یہ استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ بہت سے احکامات کے بارے میں قرآن و سنت خاموش ہیں اور ان مسائل میں اصل مصدر و مأخذ انسان کی ذاتی رائے و عقل ہے۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ اس حدیث کا معنی صحیح ہے لیکن اس کی سند میں ضعف کی وجہ سے اس کے الفاظ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دین کے انتہائی اہم و بنیادی مسائل مثلاً انسانی عقل و رائے بھی مصدر شریعت ہے' کا تعین کیا جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "(وہ زمانہ) قریب ہے کہ ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہو گا اور اس کے پاس میری احادیث میں سے کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو وہ شخص کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے پس جس کو اللہ کی کتاب نے حلال ٹھہرا دیا تو ہم بھی اس کو حلال سمجھیں گے اور جس کو ہم نے اللہ کی کتاب میں حرام پایا تو ہم بھی اسے حرام قرار دیں گے (اور یہی ہمارے لیے کافی ہے)۔ (خبر دار!) بے شک جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جیسے کسی شیء کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔"[2]

جہاں تک اس مکتبہ فکر کے ہاں اجتہاد کے دائرہ کار کی بات ہے تو جناب جاوید احمد غامدی اور منظور الحسن صاحب اجتہاد کا دائرہ کار طے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شریعت کے دائرے میں علما اور محققین کا کام صرف اور صرف یہی ہے کہ احکام کے مفہوم و مدعا کو اپنے علم و استدلال کے ذریعے سے متعین کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں ان کے لیے کسی تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش

1 ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، مقدمة في أصول التفسير: ص25-26، 29-30، دار مكتب الحياة، بيروت، 1980ء

2 ابن ماجة، محمد بن يزيد القزويني، سنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ: 12، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1999ء

نہیں ہے۔ البتہ' جس دائرے میں شریعت خاموش ہے' اس میں وہ دین و مذہب' تہذیب و تمدن' اور عرف و رواج کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر طرح کی قانون سازی کر سکتے ہیں۔"[1]

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ بعض مسائل کے بارے میں قرآن و سنت نے صریح الفاظ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے جبکہ اکثر اوقات قرآن و سنت کا منہج یہ ہے کہ وہ ایسے ضوابط، علل اور اسباب بیان کر دیتے ہیں کہ جن کے ساتھ احکام معلق ہوتے ہیں لہذا جو جزئیات بھی کسی کلی ضابطے کے تحت آتی ہوں تو ان سب کا حکم ایک جیسا ہو گا۔ اسی طرح اگر شرع نے کسی چیز کو کسی علت کی وجہ سے حرام کیا ہے تو وہ علت جن اشیاء میں بھی پائی جائے گی وہ حرام متصور ہوں گی۔ پس قرآن و سنت نے بعض اشیاء کی حرمت تو صریح الفاظ میں بیان کر دی اور اکثر اوقات ایسی علل بیان کر دی ہیں جو کسی چیز کو حرام بنا دیتی ہیں لہٰذا ان علل کی وجہ سے جب ہم کسی چیز کو حرام ٹھہرائیں گے تو اگرچہ ہم یہی کہیں گے کہ فلاں چیز نص سے حرام ہوئی ہے اور فلاں قیاس سے، لیکن دونوں چیزوں کا حکم شریعت یا نصوص میں موجود ہے ایک کا صراحتاً اور دوسری کا قیاساً، اسی طرح کا معاملہ ان مسائل کا بھی ہے کہ جن کو مصلحت، سد الذرائع اور عرف وغیرہ جیسے قواعد کی روشنی میں مستنبط کیا جاتا ہے۔

جس طرح نصوص قرآن و سنت کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ہے اسی طرح مجمع علیہ مسائل میں بھی کوئی نیا اجتہاد پیش کرنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس مسئلے کا تعلق عرف یا ظروف و احوال سے ہو اور عرف یا حالات کی تبدیلی سے اس مجمع علیہ مسئلے کی نئی صورت پیدا ہو جائے۔ انڈیا سے تعلق رکھنے والے مفکر جناب راشد شاذ صاحب کا کہنا یہ ہے کہ تمام قدیم فقہی مذاہب و آراء کو آنِ واحد میں یکسر مسترد کرتے ہوئے نئے سرے سے قرآن کی شرح و تفسیر کی جائے اور جدید حالات اور تہذیب و تمدن کے مطابق سارے دین کی ایک ایسی تعبیرِ نو کی جائے کہ جس میں کسی سابقہ عالم دین کا تذکرہ یا حوالہ تک موجود نہ ہو۔[2]

لیکن سوال تو یہ ہے کہ جتنا عرصہ ان مصلحین کو دین کی نئی تعبیر میں لگے گا تو اس وقت تک یا تو یہ مصلحین اس دنیا سے رخصت ہو کر قدماء میں شامل ہو چکے ہوں گے یا پھر دنیا بہت ترقی کر چکی ہو گی، لہٰذا آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ان مفکرین کی نئی تعبیر دین قدیم بن جائے گی اور اگر اس آئندہ آنے والی نسل کو سابقہ معاصر جدیدیت پسند مفکرین کی فکر سے اتفاق نہ ہوا تو یہی کہیں گے کہ اس قدیم تعبیر دین کو بھی ترک کرتے ہوئے دین کی کسی نئی تعبیر کی تلاش میں سرگرم ہو جاؤ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اس طرح چودہ صدیوں میں اگر

1 جاوید احمد غامدی، منظور الحسن، اجتہاد، ماہنامہ اشراق، المورد، لاہور، جون 2001ء، ص30

2 راشد شاذ، اقبال کا نظریہ اجتہاد اور عصری تقاضے، سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، ستمبر 2008ء: ص74

دین کی چھ یاسات تعبیریں تھیں تو اب ایک صدی میں سینکڑوں نئی تعبیریں وجود میں آ جائیں گی اور ایک عامی اور غیر مسلم کے لیے تعبیرات کے اس سمندر میں دین اسلام کو تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔

بعض اہل علم کی طرف سے یہ رائے سامنے آئی ہے کہ قطعی الدلالۃ و قطعی الثبوت نصوص کے معنی و مفہوم کی تعیین میں تو اجتہاد نہیں ہو سکتا ہے لیکن ان نصوص کی تطبیق میں اجتہاد کی گنجائش ضرور موجود ہے۔[1] اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ کسی شرعی حکم کے اطلاق میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے، تحقیق المناط کا اصل موضوع ہی یہی ہے۔ ہمیں ان اہل علم کے تصور اجتہاد سے تو کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے لیکن اس تصور کی تفہیم کے لیے انہوں نے جو الفاظ اختیار کیے، ہمارے خیال میں ان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ہم ان کے اس تصور کو نسبتاً محتاط الفاظ میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ کوئی قطعی الدلالۃ و قطعی الثبوت شرعی حکم اپنے اطلاق میں بعض حالات، مصالح و عرف کی رعایت رکھتے ہوئے تبدیل بھی ہو جاتا ہے۔ عرف و احوال کی رعایت رکھتے ہوئے حکم شرعی تو تبدیل نہیں ہوتا لیکن علما کے فتاوی و اجتہادات ضرور تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جن شرعی احکام کو عرف و حالات سے متعلق کر دیا گیا تو ان میں بھی حکم شرعی میں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان احکامات میں شروع ہی سے ہر زمانے کے حالات و وقائع کا لحاظ موجود ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾[2]

"یعنی اور ان عورتوں کے لیے حقوق ہیں مانند اس کے کہ جیسی ان پر ذمہ داریاں ہیں عرف کے مطابق۔"

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بعض حقوق و ذمہ داریاں تو قرآن و سنت کے ذریعے متعین کر دی ہیں جبکہ بقیہ حقوق و ذمہ داریوں کو اس آیت مبارکہ میں معاشرے کے عرف کے ساتھ متعلق کر دیا ہے لہٰذا عرف کی تبدیلی سے یہ حقوق و ذمہ داریاں بھی تبدیل ہوتی رہیں گی، یعنی نص نے شروع ہی سے اپنے اندر ایسی لچک رکھی ہے کہ قیامت تک آنے والے احوال و ظروف کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ اسی طرح کسی شرعی حکم کی تطبیق یا اطلاق میں مصالح کا لحاظ تو رکھا جائے گا لیکن ان مصالح کی بنا پر شرعی احکام کو تبدیل نہیں کیا جائے گا مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں قحط سالی کے زمانے میں قطع ید کی حد کو ایک عارضی مدت کے لیے ختم کر دیا تھا لیکن معاملہ یہ نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حد کو ہمیشہ کے لیے ساقط کر دیا ہو بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ شرعی حکم کے اطلاق (application) میں کچھ وقتی موانع (restrictions) موجود تھے جن کی وجہ سے ان حالات میں وہ شرعی حکم لاگو نہیں ہو سکتا تھا اور 'مانع' خود حکم شرعی ہی کی ایک قسم ہے نہ کہ کسی شرعی حکم کی تبدیلی کا نام ہے۔ اسی

---

1 زاہد الراشدی، شریعت، مقاصد شریعت اور اجتہاد، ماہنامہ الشریعہ، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، دسمبر 2007: ص 13-14

2 البقرۃ 2: 228

طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مریض اور بوڑھے شخص پر زنا کی حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑوں کی بجائے یہ حکم دیا کہ ایک ایسی شاخ لے کر اس کو ماردی جائے جس میں سو ٹہنیاں ہوں۔ یہاں بھی بنظر غائر دیکھیں تو سد الذرائع کی بنیاد پر شرعی حکم تبدیل نہیں ہوا بلکہ مریض کے لیے شرعی حکم پر عمل کرنے میں رخصت کا حکم جاری کیا گیا ہے اور رخصت، عزیمت ہی کی طرح شرعی حکم کی ایک قسم ہے نہ کہ شرعی حکم کا تغیر و تبدل ہے جیسا کہ سفر کی حالت میں نماز میں قصر کرنے کی رخصت ہے اور یہ رخصت ایک علیحدہ سے حکم ہے۔

اس بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذکورہ بالا اَحادیث سے ایسے قواعد اَخذ کرنا درست نہیں ہے کہ شارع نے چونکہ مصالح و مقاصد کی خاطر بعض صورتوں میں حکم تبدیل کر دیا ہے مثلاً مریض اور بوڑھے زانی کو سو کوڑوں کی بجائے ایک شاخ لے کر ماردی تو ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ مصالح و مقاصد کی خاطر حکم شرعی کو تبدیل کر دیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ 'شارع' تو 'شارع' ہے اس کا ہر حکم ہی شریعت ہے۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ کا بوڑھے و مریض زانی کو ایک شاخ لے کر مار دینا بھی ایک شرعی حکم ہے جو امت کو یہ بتلاتا ہے کہ اس طرح کے زانی مجرم پر اس طرح کی سزا لاگو ہو گی۔ جبکہ 'مجتہد' مکلف ہے اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شریعت میں مقاصد شریعت کے نام سے تبدیلی کرے۔

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بوڑھے زانی جیسی مثال میں علماء کو قرآن و سنت کی وسعتوں اور گہرائیوں سے ایک نیا حکم تلاش کرنا ہے۔ بعض علما نے مقاصد شریعت کا کلیتاً انکار کر دیا جو کہ درست طرز عمل نہیں ہے جبکہ دوسری طرف بعض مفکرین نے مقاصد شریعت کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کی تکمیل کے نام پر جزوی تعلیمات کو ترک کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ جناب حنیف رامے صاحب نے بسنت کو جاری رکھنے کے حق میں یہ دلیل بیان فرمائی کہ اس کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا روزگار وابستہ ہے اور انسانی مال کا تحفظ و فروغ' دین اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ پس بسنت پر پابندی لگانا ہزاروں لوگوں کو بے روزگار کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں طوالت کے خوف سے اشارتاً اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم آگے بڑھنا چاہیں گے کہ اجتہاد کرتے وقت مقاصد شریعت اور جزئی تعلیمات میں توازن کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

خلاصہ کلام

عصر حاضر میں اجتہاد کے حوالے سے سب سے بڑی غلط فہمی اس کی 'تعریف' اور اس کے 'دائرہ کار' کے ذریعے پیدا کی جارہی ہے۔ اجتہاد کیا ہے؟ اجتہاد کے بارے اس وقت تین قسم کے نظریات علمی حلقوں میں پائے جاتے ہیں:

① اجتہاد شریعت یعنی قرآن و سنت پر اضافہ کرنے کا نام ہے؟

(۲) اجتہاد شریعت یعنی قرآن وسنت کے اُحکام میں تبدیلی یا ان کے نسخ کا نام ہے؟

(۳) اجتہاد قرآن وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں حکم شرعی کی تلاش کا نام ہے؟

اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ دین محمدی اور شریعت اسلامیہ مکمل ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اور ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال یہ ہے کہ قرآن کے بعض مفصل احکام ایسے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کی تہذیب وتمدن کے لیے موزوں تھے، آج کل کے زمانے میں ان احکامات کی پیروی ناقابل عمل ہے، لہٰذا ان احکامات میں اجتہاد کرتے ہوئے انہیں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے شریعت کو ناقص قرار دیتے ہوئے اس کی تبدیلی کا دعوی کرنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس ان دو حضرات کے نزدیک اجتہاد شرعی احکام کو معاصر تہذیب وتمدن کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنے کا نام ہے۔ الطاف احمد صاحب کا تصور اجتہاد یہ ہے کہ قرآن کے مجمل احکامات کی تشریح میں مروی رسول اللہ ﷺ کی احادیث صرف آپ ﷺ کے زمانے کے حالات کا حل پیش کرتی ہے لہٰذا آج ہمیں آپ ﷺ کی ان روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن کے ان احکامات کی از سر نو تعبیر وتشریح کرنی ہو گی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے لیکن اس کے نصاب کو بیان نہیں کیا اور آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے عرف ورواج کو ملحوظ رکھتے ہوئے غنا کا ایک نصاب مثلاً ساڑھے سات تولے سونا' ساڑھے باون تولے چاندی' پانچ وسق غلہ و پھل اور مال مویشیوں کا نصاب وغیرہ مقرر کر دیا تھا۔ آج ہمیں اپنے زمانے کے ظروف وحالات کے مطابق غنا کی ایک تعریف کرتے ہوئے اس نصاب میں تبدیلی کرنا چاہیے اور یہی اجتہاد ہے۔ قرآن وسنت کے احکامات میں اس قسم کی تفریق کرنا کہ قرآن کے مفصل احکامات تو دائمی ہیں جبکہ سنت کے مفصل احکامات وقتی وعارضی دور کے لیے تھے، اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ شرعی دلائل اس نظریے کے خلاف قائم ہیں جیسا کہ ہم سابقہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔ قرآن اور سنت کے احکامات اپنے دوام کے اعتبار سے ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا سنت کے احکامات کو وقتی وعارضی قرار دینا شریعت کو ناقص قرار دینے کے مترادف ہے۔

غامدی صاحب کی تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شریعت کی جامعیت اور تکمیل کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ شریعت اگر مکمل ہے تو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے کہ کسی مسئلے میں اگر قرآن وسنت خاموش ہوں تو اجتہاد کیا جائے گا۔ اگر قرآن وسنت کسی مسئلے میں خاموش ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت ہر مسئلے کا حل پیش نہیں کرتے اور شریعت اسلامیہ ایک جامع شریعت نہیں ہے۔ گویا شریعت کی تکمیل کا کام تا قیامت بذریعہ اجتہاد و مجتہدین جاری وساری رہے گا۔ یہ دونوں انتہاء پسندانہ نکتہ نظر اسلام کے بنیادی تصورات واساسات

ہی کے خلاف ہیں۔ ختم نبوت کے عقیدے کا بھی بنیادی تقاضا یہی ہے کہ کسی قسم کی بھی شریعت سازی یا شریعت میں تبدیلی کے دروازے کو بند کیا جائے۔

ان دونوں انتہاء پسندانہ نکتہ ہائے نظر کے مابین ائمہ سلف کا نکتہ نظر یہ ہے کہ اجتہاد 'حکم شرعی' کی تلاش کا نام ہے۔ یعنی جب بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے کہ جس کا حکم واضح اور صریح انداز میں قرآن وسنت میں موجود نہ ہو تو قرآن وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں سے اس واقعے سے متعلق حکم شرعی کو مستنبط کرنا اجتہاد ہے۔ استنباط کسی چیز سے ہوتا ہے مثلاً پانی اگر کنویں میں موجود ہے تو اس پانی کے استباط کا مطلب کنویں میں سے پانی نکالنا ہے نہ کہ کنویں کے باہر سے پانی حاصل کر لینا۔ اسی طرح حکم شرعی کو قرآن وسنت سے نکالنا اجتہاد ہے نہ کہ باہر سے کسی اور خارجی ذریعے سے معلوم کرنا۔ پس قیامت تک آنے والے مسائل کا حل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ بعض مسائل کے بارے میں قرآن وسنت نے صریح الفاظ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے جبکہ اکثر اوقات قرآن وسنت کا منہج یہ ہے کہ وہ ایسے ضوابط، علل اور اسباب بیان کر دیتے ہیں کہ جن کے ساتھ احکام معلق ہوتے ہیں لہٰذا جو جزئیات بھی کسی کلی ضابطے کے تحت آتی ہوں، ان سب کا حکم ایک جیسا ہو گا۔ اسی طرح اگر شارع نے کسی چیز کو کسی علت کی وجہ سے حرام کیا ہے تو وہ علت جن اشیاء میں بھی پائی جائے گی وہ حرام متصور ہوں گی۔ پس قرآن وسنت نے بعض اشیاء کی حرمت تو صریح الفاظ میں بیان کر دی اور اکثر اوقات ایسی علل بیان کر دی ہیں جو کسی چیز کو حرام بنا دیتی ہیں لہٰذا ان علل کی وجہ سے جب ہم کسی چیز کو حرام ٹھہرائیں گے تو اگرچہ ہم یہی کہیں گے کہ فلاں چیز نص سے حرام ہوئی ہے اور فلاں قیاس سے، لیکن دونوں چیزوں کا حکم شریعت یا نصوص میں موجود ہے ایک کا صراحتاً اور دوسری کا قیاساً۔ اسی طرح کا معاملہ ان مسائل کا بھی ہے جن کو مصلحت، سد الذرائع اور عرف وغیرہ جیسے قواعد کی روشنی میں مستنبط کیا جاتا ہے۔ قیاس، اجماع، مصلحت، عرف، سد الذرائع، شرائع من قبلنا، استصحاب اور استحسان وغیرہ جیسے قواعد عامہ کی حجیت بھی قرآن وسنت کی نصوص ہی سے ثابت ہے۔ علمانے احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں ان قواعد کے مآخذ یا مصادر ہونے کے دلائل اُصول کی کتابوں میں جمع کر دیے ہیں۔